جدید اردو غزل میں جذبات برہمی کا اظہار
(تخصیصی مطالعہ: ناصر کاظمی، منیر نیازی)

سامیہ کومل، پی ایچ ڈی، اسکالر، شعبہ اردو گورنمنٹ یونیورسٹی فیصل آباد
ڈاکٹر طارق ہاشمی، ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو گورنمنٹ یونیورسٹی فیصل آباد

Abstract:

Poetry is one of the most subtle expression of human passions, feelings, expressions and wishes. Generally, two sorts of passions and feelings dominate the poetic expression in popular literature, one is ecstasy and second is sorrow. However, a third feeling of wrath, Dander, Anger, Agony, Disappointment and rivalry has found a major space in poetry. The purpose of this study is to focus on the expressions of wrath, dander and agony in the poetry of Nasir Kazmi and Muneer Niazi, especially after the formation of Pakistan. Anger and dander's expressions in their ghazals are very common and thoughtful. They showed their sensational expressions about unappreciative aspect of mankind and they criticized on the materialistic approach of the society. The perceived pain for their nation and wrote for a common human being's problems which he faces to live a happy life due to the lack of praise of administration. They wrote about painful poverty and they attacked on the senseless policies of our leaders. They felt restless themselves due to the migration because of losing their homes. They are unhappy because their nation is going to downfall due to the illiteracy and ignorance of their administrative. No doubt a poet is always a real well-wisher of his nation. He indicates the bad behaviours of society to prove the grace and dignity of humanity.

جذبات، انسان کے ماضی الضمیر کا آئینہ ہوتے ہیں لیکن انسانی باطن پر یہ مختلف انداز میں اثرانداز ہوتے ہوئے متنوع کیفیات طاری کرتے ہیں۔ جذبات کی مرہونِ منت طاری ہونے والی کیفیات ایک طرزِ احساس کو تشکیل دیتے ہوئے اظہار کی محتاج ہوتی ہیں جو الفاظ کے ذریعے کیا جاتا ہے۔

شاعری جذبات، احساسات اور کیفیات کا جمالیاتی اظہار ہے۔ دنیا بھر کی زبانوں میں جذبات کا مؤثر ترین اظہار شعر ہی خیال کیا جاتا ہے کہ یہ ایک ایسا پیرایۂ اظہار ہوتا ہے جس میں جذبات ایک تناسب سے ترتیب پاتے ہیں۔ اب تک جتنی شاعری سامنے آئی ہے اس کی تہہ میں کوئی نہ کوئی جذبہ ہی کارفرما نظر آتا ہے۔ انسان زمین پر شاعری اپنے ساتھ لے کر اترا تھا جو الفاظ سے مزین تو نہ تھی مگر وہ چند آوازیں جو جذبات کا اظہار کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہیں، انسان ان آوازوں کو گیت کا روپ دے کر اپنا اظہار کرنے لگا۔ رفتہ رفتہ اسے یہ احساس ہوا کہ ان آوازوں کی شکلیں کیا ہوں گی سو اس نے ان آوازوں کو تحریر کرنا شروع کر دیا اور اسی طرح آوازوں کے کچھ نشانات وجود میں آگئے۔ یہی نشانات بعد ازاں الفاظ کا روپ دھار گئے اور یوں آوازیں نظم ہوتی گئیں اور شعر میں جمالیاتی پیرائے نے جنم لیا۔

ہر زبان کے شعراء پہلے پہل صرف داخلی اظہار پر مبنی شاعری کرتے ہیں مگر دھیرے دھیرے یہ انداز اظہارِ ذات یا داخل سے نکل کر خارج کے کینوس پر بکھرنے لگتا ہے اور اس طرح آپ بیتی جگ بیتی کا انداز اختیار کر لیتی ہے۔

جذبات بذاتِ خود داخلی اور خارجی نوعیت کے حامل ہوتے ہیں اور بیک وقت داخلی اور خارجی کیفیت کا تدارک رکھتے ہیں۔ مثلاً غم اور خوشی جیسے جذبات کا تعلق داخل سے ہے۔ غم اور خوشی اندر سے پھوٹتے ہیں جبکہ غصہ براہِ راست خارجی ماحول کے زیر اثر ہوتا ہے۔ غصہ ہمیشہ خارجی عوامل سے نمو پاتا ہے اور ذاتی ماحول پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس طرح غصہ کے اظہار سے جو نتیجہ سامنے آتا ہے۔ اسے ہم مختلف اقسام میں تقسیم کرتے ہیں جیسے ہجو، طنز، واسوخت اور شہر آشوب وغیرہ۔ اس طرح کی شاعری جذباتِ برہمی کا اظہار کرتی ہے۔ شاعری میں جذبات برہمی بہت نمایاں ہیں محض ان کی نوعیت اور کیفیت کے اعتبار سے نشاندہی کرنا باقی ہے۔

انسانی مسائل کی ایک بڑی وجہ تعصب اور غلط رویوں کی تشکیل ہے رویے نہ صرف انسانی انفرادی زندگی، سوچ اور کردار متعین کرتے ہیں بلکہ معاشرتی زندگی کا بھی اہم حصہ ہیں۔ یہ انسانی کردار کے عام ذہنی میلانات ہوتے ہیں جن کے پیچھے تعلیم و تربیت، اقدار، اخلاق اور ہیجانی احساسات کارفرما ہوتے ہیں۔ انہیں فرد کا جوابی عمل یا کردار کا دوسرا رخ بھی کہا جا سکتا ہے۔ رویے پیدائشی ہوتے ہیں اور وقت کے ساتھ ساتھ سماجی آموزش سے پروان چڑھتے ہیں۔ یہ انسانی شخصیت میں پیوست ہوتے ہیں تو اظہار کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ جذبات کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے۔ یہ محرکاتی اور احساساتی ہوتے ہیں کیوں کہ رویوں کی مطابقت سے ہی ہم کسی تجربے یا واقعے کو خوشگوار یا ناخوشگوار قرار دیتے ہیں۔ اسی خوشگواریت یا ناخوشگواریت سے انسانی جذبات نمو پاتے ہیں۔ جو اس عمل کا حصہ بنتے ہیں۔ پھر یہ جذبات اور رویے سماجی سطح پر رجحان کو جنم دیتے ہیں اور یہ رجحان بالآخر ایک تحریک کا روپ دھار لیتا ہے۔ اردو شاعری میں حزنیہ جذبات اور نشاطیہ جذبات کے اظہار کا رجحان تو تحقیق و تنقید میں ملتا ہے۔ مگر غصہ اور برہمی کے جذبات کے

اظہار پر کوئی خاطر خواہ کام نظر نہیں آتا۔اسی باعث زیر نظر مضمون لکھا گیا ہے کہ قیام پاکستان کے شعرا خصوصاً ناصر کاظمی اور منیر نیازی کے کلام میں جذبات برہمی کے اظہار کو نمایاں کیا جاسکے۔

جذبہ محبت میں مکمل یا جزوی نارسائی دکھ، درد اور غم کو جنم دیتی ہے۔ یہ دکھ اور غم کے جذبات اگر شدت اختیار کر جائیں تو برہمی کا روپ دھار لیتے ہیں۔ برہمی میں مزید شدت آجائے تو اسے مزاحمت کہتے ہیں۔ اردو شاعری میں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تمام فطری، انسانی جذبات، محبت، دکھ، درد، غم، غصہ، برہمی اور مزاحمت کا پھر پور اظہار ملتا ہے۔ سب سے پہلے یہ اظہار ناصر کاظمی کے ہاں قدرے نرم اور دھیمے لہجے میں شکوہ اور شکایتی انداز میں نظر آتا ہے۔ ناصر کے ہاں تخلیق اور انکشاف میں ایک ربط اور آہنگ نظر آتا ہے جو اسے تہذیب کا دائرہ توڑنے سے باز رکھتا ہے اور جذبہ و تکلم میں توازن برقرار رکھتا ہے۔

> ''خیال اور تصور داخلی بیان کی آب و ہوا ہیں۔ ہوا رک جائے تو دم گھٹنے لگتا ہے۔ ہوا تیز تیز ہو تو دل و دماغ اور تخیل اُڑنے لگتا ہے۔ جب ہوا طوفان بن جاتی ہے تو داخلی دنیا میں انقلاب آجاتا ہے۔''(۱)

ایسا خیال اور تصور کا ربط ناصر کاظمی کے ہاں ایک منفرد روانی کی صورت میں ملتا ہے۔ جس میں وہ اپنے اشعار میں ایک صورتِ واقعہ کا انکشاف تخلیق کرتے ہیں اور اپنے جذبات کی ترسیل ہر دوسرے فرد کے جذبات کے طور پر کرتے ہیں۔

دن بھی اداس اور مری رات بھی اداس
ایسا تو وقت اے غمِ دوراں نہ تھا کبھی(۲)

تقسیم ہند ادباء اور شعراء کے لیے متنوع تجربات کا باعث بنا۔ ایک الگ وطن کی تشکیل نے مسرت کے احساس کو بھی جنم دیا لیکن ہجرت اور فسادات کی وجہ سے ایک بڑے المیاتی احساس نے بے چینی بھی پیدا کی۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ جبراً جانا ہر ذی نفس کے لیے مشکل امر ہوتا ہے۔ لیکن اگر دوسری جگہ قیام کر بھی لیا جائے مگر وہاں جا کر اپنے انداز و اطوار کو بھی بدلنا پڑے تو یہ خاص طور پر ایک حساس آدمی کے لیے بہت مشکل ہوتا ہے۔ پھر وہ پہلے تو خود سے سوال کرتا ہے کہ اس کے ساتھ ہونے والے اس سلوک کا ذمہ دار کسے ٹھہرایا جاسکتا ہے؟ مگر جب کوئی جواب نہ ملے تو پھر وہ اس انکشاف کو ادراک بنانے کے لیے تخلیق کرتا ہے جس میں وہ اپنی کیفیات کو مخاطب کرتا ہے اس خطاب میں وہ اپنے جوش کا مظاہرہ کرتے کرتے نتیجے کا اعلان کرتا ہے کہ یہ ظلم تھم جائے گا آخر، اس ظلم کو تھمنا ہی ہوگا۔

پھر خاک نشیں سر اٹھائیں گے
مٹنے کو ہے نازِ کجکلاہی
آئینِ جہاں بدل رہا ہے
بدلیں گے اوامر و نواہی(۳)

یہ تلخی، نارسائی اور محرومی کی وجہ سے ہے تلخی بلکہ خود رحمی کی ایک ہلکی سی لہر ہے جو کلام ناصر میں مسلسل ڈوبتی ابھرتی نظر آتی ہے۔ اسی ذاتی نارسائی اور محرومی کا ایک پہلو ناقدری کا احساس بھی تھا۔ یہ اس لیے کہ ناصر کو اپنے کمال فن پر ناز تھا لیکن اس کے ساتھ ہی یہ خلش بھی رہی کہ ان کے کمالِ فن کو سمجھا نہ گیا اور ان کی بات گرد و بار میں ضائع ہو گئی۔ ہوا میں تحلیل ہو کر رہ گئی۔ یعنی

ع مرے کام کچھ نہ آیا یہ کمالِ نے نوازی

ویراں پڑا ہے میکدہ حسنِ خیال کا
یہ دور ہے بہائے ہنر کے زوال کا(۴)

معاشرے کے حساس ترین فرد یعنی شاعر کے لیے دنیا کے جدید تقاضوں کو برداشت کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ رفتہ رفتہ وہ راہِ فرار ڈھونڈنے لگتا ہے لیکن اسی سماج کا حصہ ہوتے ہوئے سماج سے فرار بعض اوقات ممکن نہیں ہوتا تو پھر اس کی ذات میں الجھن جگہ لینے لگتی ہے۔ یہ الجھن جب طویل وقت کے لیے طاری ہونے لگتی ہے تو شاعر کے اندر شدید ہیجان پیدا ہوتا ہے اور برملا اپنی الجھن کا اظہار کرنے لگتا ہے۔

> ''نئی دنیا کے خدوخال ناصر کے شعور میں جوں جوں زیادہ اجاگر ہوتے گئے، اسے بار بار یہ احساس ہونے لگا کہ وہ تنہا ہے۔ اس کا قافلہ اسے چھوڑ کر کسی اور طرف نکل گیا۔۔۔ اداس شاعر دیکھتا ہے کوئی گھر سے نہیں نکلتا۔ اس عالم میں اگر کوئی ملتا بھی ہے تو دل کی بات کرنے یا سننے کے قابل نہیں ملتا۔''(۵)

یہ اداسی اور تنہائی ناصر کو اس دگرگوں حالت کے پس منظر کی جستجو میں لگا دیتی ہے اور اس پر یہ عقدہ کھلتا ہے کہ یہ صورت حال اصل میں جدید دنیا پر چھا جانے والے نظامِ زر کا کیا دھرا ہے اور وہ اس نظامِ زر کی زد میں آنے والی انسانیت سوزی پر برہم ہونے لگتا ہے اور خدا سے شکوہ برہمی کرتا ہے:

او میرے مصروف خدا
اپنی دنیا دیکھ ذرا
اتنی خلقت کے ہوتے
شہروں میں ہے سناٹا
جھونپڑی والوں کی تقدیر
بجھا بجھا سا ایک دیا(۶)

یہ برہم اظہار پہلے ذاتی احساس تک محدود ہے مگر دھیرے دھیرے یہ احساس ذات سے نکل کر ایک گھمبیرا کلاپے کو جنم دیتا ہے۔ اس وقت ناصر کو احساس ہوتا ہے کہ وہ فطرت اور انسان سے جو رشتہ قائم کرنا چاہتا تھا اسے اس سرمایہ کاری کے نظامِ ہوس نے ناممکن بنا دیا ہے اور اسے یہ ادراک ہونے لگتا ہے کہ اس نظامِ زر نے لوگوں کو اداس کرنے کے ساتھ ساتھ بے حس، سفاک اور ظالم بھی بنا دیا ہے۔

جنہیں زندگی کا شعور تھا انہیں بے زری نے بُجھا دیا
جو گراں تھے سینہ چاک پر وہی بن کے بیٹھے ہیں معتبر(۷)

ناصر کاظمی کے ہاں ایک اور وجہ برہمی ہجرت اور جبراً نقل مکانی نظر آتی ہے کہ ایک شخص اپنا گھر بار چھوڑتا ہے کہ شاید آگے جا کر اسے کچھ سکون میسر آئے گا لیکن آگے اک اور ہی دریا کا سامنا ہوتا ہے۔ جو شاعر کو ناسٹلجیا کا شکار ہونے پر مجبور کر دیتا ہے اور وہ مجبوراً حال سے ماضی کی طرف جاتا ہے مگر اس صورت میں بھی اسے تنہائی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ تو وہ بہت زیادہ اضطراب کا شکار ہونے لگتا ہے کہ اسے کوئی راہ فرار نہیں ملتی آگے دیکھتا ہے تو کوئی امید یا راستہ نہیں نظر آرہا کہ زندگی کرنے کی کوئی صورت نکلے اور اگر پیچھے مڑ کر دیکھتا ہے تو ماضی کی سنسانی اور ویرانی مزید دالخراشی کی صورت نمایاں کرتی ہے۔ ایسی صورت میں شاعر اپنے غصے پر قابو نہیں رکھ پاتا۔ یہی وجوہات ناصر کے ہاں بھی تھیں۔ یہی ہجرت کا دکھ آخر غصہ کی صورت میں ان کی شاعری میں یوں نظر آتا ہے۔

شہر در شہر گھر جلائے گئے
یوں بھی جشنِ طرف منائے گئے
اک طرف جھوم کر بہار آئی
اک طرف آشیاں جلائے گئے
اک طرف خونِ دل بھی تھا نایاب
اک طرف جشنِ جم منائے گئے
کیا کہوں کس طرح سرِ بازار
عصمتوں کے دیے بجھائے گئے
آہ وہ خلوتوں کے سرمائے
مجمعِ عام میں لٹائے گئے
وقت کے ساتھ ہم بھی اے ناصرؔ
خار و خس کی طرح بہائے گئے(۸)

کسی واقعے کو شعری قالب میں ڈھالنا قاری کی معلومات میں اضافہ کرنے کے لیے نہیں ہوتا بلکہ یہ قاری کی سوچ اور فکر میں وسعت، جامعیت اور ہمہ گیریت پیدا کرنے کے لیے ہوتا ہے۔اسی طرح ناصر کی شاعری اس کی روحانی سنجیدگی، توازن اور وسیع اور ہمہ گیر احساسات کی حامل ہے۔ شاعر جب کسی واقعہ یا تحریر کو شعر میں بیان کرتا ہے تو ضروری نہیں کہ وہ تجربہ یا واقعہ کسی دوسرے شاعر کی زندگی میں پیش نہ آیا ہو۔ بلکہ یہ طرزِ سخن ہے جو ایک شاعر کے کلام کو دوسرے شاعر کے کلام سے مختلف بناتی ہے۔ یہ بات کرنے کا مقصد یہی ہے کہ عام طور پر ناصر کاظمی کے بارے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ دھیمے لہجے کا اداس شاعر ہے۔ یہاں سوال یہ بنتا ہے کہ کہ کیا دھیمے لہجے یا مزاج کے حامل آدمی کو غصہ نہیں آسکتا؟ کیا وہ غصہ کا اظہار نہیں کرتا؟ جس طرح دیگر جذبات کا اظہار ناگزیر ہے ٹھیک اسی طرح غصہ کا اظہار بھی شخصیت کے خفی پہلو اجاگر کرنے میں مدد دیتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہر شاعر معاشرے کے غلط رویوں پر اپنے انداز میں غصہ کا اظہار کرتا ہے۔ ''برگ نے'' کی غزلوں میں اک بے یقینی کی کیفیت ہے جو شاعر کو ماضی کی یاد میں دھکیل کر حال سے اس کا رابطہ منقطع کرتی نظر آتی ہے اور اگر شاعر حال پہ نظر ڈالتا ہے تو اسے مایوسی اور اداسی غصہ دلاتی ہیں۔ جبکہ دیوان کی غزلیات میں جذبہ برہمی اک نئے رنگ اور منفرد ڈھنگ میں نظر آتا ہے۔ یہاں وہ

مستقبل کی منصوبہ بندی کرتا ہے کہ ماضی میں جو تھا بے شک وہ ناقابلِ فراموش تھا مگر حال نے جو حال کیا ہے۔ یہ ناقابلِ برداشت نہیں بلکہ اس سے سبق لے کر مستقبل کو اپنی مرضی سے سنوارا جا سکتا ہے۔ یہ کہنا غلط نہیں ہو گا کہ دیوان کی غزلیات میں رجائی جذبہ کے پیش نظر ناصر ایک نئے انداز میں اپنے جذبات اظہار کرتے ہیں۔ یہ اظہار برہم تو ہے مگر امید کا جوش بھی اس میں شامل ہے۔

رہ نوردِ بیابانِ غم صبر کر صبر کر
کارواں پھر ملیں گے بہم صبر کر صبر کر
تیری فریاد گونجے گی دھرتی سے آکاش تک
کوئی دن اور سہہ لے ستم صبر کر صبر کر
تیرے قدموں سے جاگیں گے اُجڑے دلوں کے ختن
پا شکستہ غزالِ حرم صبر کر صبر کر
شہر اُجڑے تو کیا، ہے کشادہ زمینِ خدا
اک نیا گھر بنائیں گے ہم صبر کر صبر کر
یہ محلاتِ شاہی تباہی کے ہیں منتظر
گرنے والے ہیں ان کے عَلم صبر کر صبر کر
کیوں پٹکتا ہے سر سنگ سے جی جلا ڈھنگ سے
دل ہی بن جائے گا صنم صبر کر صبر کر
دیکھ ناصرؔ زمانے میں کوئی کسی کا نہیں
بھول جا اس کے قول و قسم صبر کر صبر کر(۹)

دیوان کی غزلوں کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ شاعر نے اپنا غصہ ہی اپنا ہتھیار بنا لیا ہے گویا وہ اس جذبے سے دنیا میں فکری انقلاب لے کر آنا چاہتا ہے اور وہ اپنے خیالات کو یکجا کر رہا ہے اور یہ پیغام دے رہا ہے کہ جو ہاتھ سے نکل گیا بھلے وہ ہمارا متاعِ حیات تھا لیکن اب بھی وقت باقی ہے جو کھویا ہے اس کی خاطر خود کو ختم کرنے سے اپنا آپ مضبوط کرنا کہیں بہتر ہے اور جو گزرا ہے اس پر پچھتا کر خود کو وقت کے قدموں میں گرانے سے اچھا ہے وقت کے ساتھ اپنا نبھا کر لیا جائے۔

رونا آتا ہے ہمیں بھی لیکن
اس میں تو ہین وفا ہوتی ہے
ایک نیا دور جنم لیتا ہے
ایک تہذیب فنا ہوتی ہے (۱۰)

یہ رجائی لہجہ کافی حد تک قائم ہے مگر کہیں کہیں اچانک غصہ وارد ہوتا ہے۔ ناصر کاظمی کی خصوصیت یہ ہے کہ کوئی جذبہ چھپا ہوا نہیں۔ ناصر کے ہاں محبوب کی بے وفائی پر غصہ کا اظہار نہیں ملتا۔ اگر ایسا کوئی اظہار ہے بھی تو وہ واسوخت کا رنگ لیے ہوئے نہیں بلکہ یادِ رفتگاں کی صورت میں ہے۔ البتہ معاشرتی رویوں اور سماجی الجھنوں پر غصہ یا برہمی کا ایک انداز ضرور ملتا ہے۔ جیسے:

ہوتی ہے تیرے نام سے وحشت کبھی کبھی
برہم ہوئی ہے یوں بھی طبیعت کبھی کبھی(۱۱)

اے ہم سخن وفا کا تقاضا ہے اب یہی
میں اپنے ہاتھ کاٹ نوں تو اپنے ہونٹ سی
کن بے دلوں میں پھینک دیا حادثات نے
آنکھوں میں جن کی نورنہ باتوں میں تازگی(۱۱)

یہ غصہ اور برہمی کہیں کہیں ایک طنز کی شکل اختیار کر جاتے ہیں۔ ایک بات واضح رہے کہ ناصر کاظمی کے ہاں جو غصہ، طنز یا الجھن نظر آتی ہے۔ وہ کسی آپ بیتی سے زیادہ جگ بیتی کا کرب ظاہر کرتی ہے۔ اس کا طنز کٹیلا نہیں مگر گہرا ہے۔ اس کی الجھن میں چبھن سے زیادہ کسک ہے جب وہ بہت زیادہ ناراض ہوتا ہے تو اپنے آپ کو لاتعلق کر لیتا ہے اور اس لاتعلقی کا اظہار وہ یوں کرتا ہے:

خلوص و مہرو وفا لوگ کر چکے ہیں بہت
مرے خیال میں اب اور کوئی کام کریں

جدا ہوئے ہیں بہت لوگ ایک تم بھی سہی
اب اتنی بات پہ کیا زندگی حرام کریں(۱۲)

غرض یہ الجھن اور غصہ ناصر کاظمی کو تجربات ہجرت و تنہائی کے نتیجے میں ملے گویا تخلیق تنہائی سے جنم لیتی ہے۔ ناصر کاظمی کے نزدیک شاعر کو جذبہ ہی تخلیق کرنا سکھاتا ہے اور ایک بڑا شاعر کبھی کیفیت تخلیق نہیں کرتا بلکہ وہ جذبہ سے کیفیت کشید کرتا ہے پھر اس کیفیت کی ترسیل کرتا ہے۔ ناصر کاظمی کے ہاں جہاں برہمی کی کیفیت یا غصہ کی کوئی شکل نظر آتی ہے وہ کسی نہ کسی پس منظر سے تعلق رکھتی ہے۔ گویا ایک شاعر کا فہم وادراک صرف نشاطیہ یا حزنیہ رنگ کی حامل شاعری ہی نہیں دیتا بلکہ وہ بطور فرد بلکہ ایک حساس ذی شعور ہونے کے ناطے اپنی ناگواری اور سماج کے غلط رویوں کی نشاندہی بھی کر سکتا ہے اور یہ بات اب پرانی ہو چکی ہے کہ شاعری صرف پیار اور محبت کے مضامین کی حامل ہے بلکہ شاعری اپنے اندر ہر وہ مضمون سمو سکتی ہے جس کا قوی جذبہ شاعر کے ہاں موجود ہے۔ شاعر سماج کا حساس ترین فرد ہونے کے ناطے پیار و محبت کی راگنی بھی گاتا ہے اور غم و غصے کا اعلان بھی کرتا ہے۔ بیک وقت زندگی اور سماج کا ہر رنگ شاعری میں پروتا ہے۔ ناصر کاظمی کے ہاں اسی طرح کے ایک اہم پہلو کو جذبات کی شکل میں شاعری کے پیرائے میں نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ناصر کاظمی اور منیر نیازی کا کلام کم و بیش ایک جیسے خارجی ماحول کا پروردہ ہے۔ جب ادب میں یہ بات کی جاتی ہے کہ ہم عصر شعراء کے کام کا تقابل ان کے تخلیقی عمل سے متعلق ہوتا ہے اور اس کی بنیاد تجربات اور زندگی میں پیش آنے والے واقعات پر ہوتی ہے۔ آیا وہ واقعات ایک جیسے ہوتے ہیں؟ اگر ماحول ایک جیسا تھا تو یقیناً واقعات بھی مشترک ہوں گے لیکن واقعہ دراصل تجربہ کو جنم دیتا ہے اور تجربہ ہر شخص کا دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ ادب کا مطالعہ کرتے وقت یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ فن کار کس قسم کے تجربات سے دوچار ہوتا ہے اور اس کے مشاہدات کی دنیا کیا ہے۔ جہاں سے اس کے تخئیل نے تخلیق کے لیے مضمون اٹھایا۔ یہی وجہ ہے کہ کسی مخصوص تجربے سے دوچار ہونے کے بعد ہر ادیب یا فن کار کا ردِ عمل یکساں نہیں ہوتا اور اسی لیے اس کے شعری تجربے کے اظہار کے طریقے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ کیوں کہ تخئیل کی قوت جو کسی بھی طرح کی تخلیق کا سرچشمہ ہے، مشاہدات اور تجربات کے خزانے سے ہی پیدا ہوتی ہے اور تجربات کی باہمی ترتیب سے ایک صورت میں جلوہ افروز ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں جب تمام ادیبوں اور فن کاروں کے تجربات یکساں نہیں ہوتے اور ان کے مشاہدات مختلف قسم کے واقعات کا ذخیرہ ہوتے ہیں تو ان کے رد عمل اور طریق اظہار میں یکسانیت بھی ممکن نہیں۔ یہاں یہ بات واضح ہو جاتی

ہے کہ جس طرح انفرادی تجربات اور گرد و پیش کی دنیا سے حاصل شدہ مشاہدات ادیبوں اور فنکاروں کے مابین شعری رویے کے اختلاف کی اساس ہیں اسی طرح یہ حقیقت اجتماعی سطح پر بھی صادق آتی ہے۔

> ''تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ایک ہی عہد کے نمائندہ شعراء کا کلام انفرادی تجربات اور مخصوص شخصی حالات کی وجہ سے باہم یکساں نہیں ہوتا۔(جب کہ اور بھی بہت سے دوسرے عوامل اس اختلاف کی وجہ ہوتے ہیں مثلاً شخصیتوں کا اختلاف جس کی تعمیر ماحول کے سوا جبلی اور فطری اوصاف کی رہین منت ہے، حسی اور جذباتی سطحوں کا اختلاف وغیرہ) ممکن ہے۔''(۱۴)

اس لیے منیر نیازی اور ناصر کاظمی کے ہاں بھی یہ تخلیقی اختلاف نظر آتا ہے۔اس تبدیل رویے کو اختلاف سے زیادہ تنوع کہنا مناسب ہو گا۔

منیر نیازی کے ہاں بھی جذبات برہمی کا اظہار موجود ہے اور کہیں کہیں تو دردِ دل کی آنچ سے خاصاً سلگتا ہوا انداز نظر آتا ہے۔ مثلاً ہجرت کے واقعات، ملکی صورتِ حال، سیاست دانوں کا رویہ لوگوں کی بے حسی، زر کے آسیب کا اسیر ہونا شاعر کو سخت رنجیدہ خاطر کرتا ہے۔اسی آسیبِ زر اور ہوس کے تحت منیر نیازی کے ہاں سانپ کی علامت تشکیل پاتی ہے۔اس نے جہاں بھی سانپ کا لفظ استعمال کیا نہایت رنجیدگی اور برہمی سے کیا ہے۔ دوسری جانب وہ زندگی کی کرب ناکیوں اور اذیتوں کو جرمِ آدم قرار دیتا ہے۔ زندگی کی تلخی اور کائنات کی وسعت اس کی فکر کو تحریک دیتی ہے کہ آدم کی ایک غلطی مسلسل حضرتِ انسان کی زندگی کو تباہ کرتی آرہی ہے اور انسان بے بس اور لاچار ہو گیا ہے اور اس جرم کا کفارہ ہے کہ ادا ہی نہیں ہو رہا۔

جرم آدم نے کیا اور نسلِ آدم کو سزا
کاٹتا ہوں زندگی بھر جو میں نے بویا نہیں(۱۵)

منیر نیازی کے ہاں انسان کو قیدِ لیل و نہار میں دیکھ کر بہت الجھن ہوتی ہے۔اس کے ہاں اس بات پر غصہ ابھرتا ہے کہ انسان مجبورِ محض ہے اور وہ ایک مخصوص منصوبہ بندی کے تحت دنیا میں آتا ہے اور چلا جاتا ہے اور اس کے چلے جانے سے کسی کو کوئی فرق بھی نہیں پڑتا۔انسان کی اس بے ثباتی حیات کے حوالے سے منیر نیازی کا چڑچڑا پن اس کے کلام میں اس طرح سامنے آتا ہے۔

ہم بھی آئے منیر ہستی میں
رسم تھی اک جسے نبھانا تھا(۱۶)

شعراء کے حوالے سے ایک بات گردش میں رہتی ہے کہ یہ انفرادیت پرست ہوتے ہیں اصل میں شاعر سماج کا ایسا ستون ہے جس پر سماج کی تہذیب کی عمارت کھڑی ہوتی ہے اور تہذیب منفی رویوں سے کمزور پڑتی ہے۔اس ضمن میں شاعر اپنے سماج کے رویوں کا ضامن ہوتا ہے اور وہ اپنی تہذیب و ثقافت کو جاوداں کرنے کا متمنی رہتا ہے۔ بطور اہم فرد وہ اپنی ذمہ داری سمجھتا ہے کہ اسے معاشرے میں اچھے اخلاق کی روایت زندہ رکھنی ہے اور غلط رویوں کا سد باب اپنی تخلیق کے ذریعے کرنا ہے۔اس لیے بیشتر اوقات شاعر الجھن کا شکار ہو کر سماجی رویوں اور لہجوں سے تنگ آجاتا ہے اور وہ سماج سے فرار حاصل کرتا ہے۔سماج سے فرار شاعر کی خواہش نہیں بلکہ ناراضی اور غصہ ظاہر کرتا ہے۔

ہے میرے گرد کثرتِ شہرِ جفا پرست
تنہا ہوں ، اس لیے ہوں میں اتنا انا پرست(۱۷)

منیر نیازی گھٹ گھٹ کر غم سہنے کے قائل نہیں بلکہ وہ اظہار کر کے تزکیۂ نفس کرنے کے قائل ہیں۔اگر جذبات دل میں رکھ لیے جائیں تو پھر حزنیہ جذبات اور احساسات جنم لیتے ہیں اور اگر یہ حزنیہ جذبات یاداشت میں محفوظ ہو جائیں تو مستقل کسک اور اینٹھن کا باعث بنتے ہیں۔اس لیے منیر نیازی اپنے جذبات دباتے نہیں بلکہ مناسب اظہار کر کے خود کو پر سکون رکھتے ہیں۔

دیتی نہیں اماں جو زمیں آسمان تو ہے
کہنے کو اپنے دل سے کوئی داستان تو ہے(۱۸)

منیر نیازی اپنے ہم عصر شعراء میں شدت جذبات کے شاعر سمجھے جاتے ہیں۔ان کے ہاں لگی لپٹی نظر نہیں آتی۔راہِ راست بات کرنے کے قائل ہیں غصہ کا اظہار تو نہایت ہی غصیلے انداز میں کرتے ہیں:

اس شہر سنگ دل کو دینا چاہیے
پھر اس کی خاک کو بھی اڑا دینا چاہیے

ملتی نہیں پناہ ہمیں جس زمین پر
اک حشرا اس زمیں پہ اٹھا دینا چاہیے
حد سے گزر گئی ہے یہاں رسمِ قاہری
اس دہر کو اب اس کی سزا دینا چاہیے
اک تیز رعد جیسی صدا ہر مکان میں
لوگوں کو ان کے گھر میں ڈا دینا چاہیے
گم ہو چلے ہو تم تو بہت خود میں اے منیرؔ
دنیا کو کچھ تو اپنا پتہ دینا چاہیے(۱۹)

منیر نیازی کے ہاں زندگی کی نفی کرنے والے محرکات پر غصہ کا اظہار بہت نمایاں ملتا ہے۔ وہ جبر کے خلاف ہے۔ کم از کم ایک حساس فرد کے لیے تو ان عناصر کا تصور ہی سوہانِ روح ہوتا ہے اور اگر وہ فرد شاعر ہے تو یہ چیزیں اس کی تخلیقات کا مزاج زیر و زبر کرنے کے لیے کافی ہیں۔

"تنہائی، عدم تحفظ، زندگی کی بے معنویت، اخلاقی خلا، ذات کا کرائسس، فرد کی گمشدگی، فنا کا خوف، حالات کی یکسانگی، مشینی زندگی کی جبریت، اقدار کی شکست وریخت، آج زندگی کے ایسے محرکات ومسائل ہیں جو ہر باشعور آدمی کے دل ودماغ کو ایک طرح کی الجھن میں ڈالے ہوئے ہیں۔ شاعروں اور ادیبوں کی حساس طبیعتوں نے ان باتوں کا کچھ زیادہ ہی اثر قبول کیا ہے۔ چنانچہ منیر نیازی کے یہاں بھی اس قسم کے محسوسات کا اظہار ملتا ہے۔"(۲۰)

معاشرتی بے حسی اور لوگوں کی سفاکیت منیر نیازی کے لہجے میں تلخی بھر دیتی ہے۔ اقدار کی اس طرح پامالی انہیں رنجیدہ کرتی ہے کہ جس میں باہمی شفقت، رواداری اور صداقت پاتال میں جا گری ہے اور ان کی جگہ بے حسی، بے مروتی، جھوٹ، نفسا نفسی نے لے لی ہے۔ رشتوں کا تقدس مفقود ہو گیا ہے۔ دوست اب دشمن کا روپ دھارنے لگے ہیں اور گمراہی کی طرف لے جانے والے ہیں۔ اس ضمن میں منیر نیازی جیسے چیخنے کے انداز میں کہتے ہیں۔

یہ بھی کیسی زندگی ہے اپنے لوگوں میں منیر
باہمی شفقت سے خالی ایک گھر میں زندگی(۲۱)

اس جگہ رہنا ہی کیوں ان شہروں کے درمیاں
وقت سارا جس جگہ بے جا مروّت میں کٹے(۲۲)

یہ شاعری ایسا منظر نامہ پیش کر رہی ہے جس میں صرف جھوٹ اور بے مروتی نظر آرہی ہے۔ یہ بے حسی شاعر کو طیش دلاتی ہے وہ خود کو تنہا کر لیتا ہے۔ دوست اور اقرباء میں جب مہر و وفا باقی نہیں رہتی تو وہ کسی کو بھی اپنا ہمدرد اور رازداں نہیں بنا سکتا۔ بقول ڈاکٹر انیس ناگی:

"اسے اپنے گرد دشمنوں کی شکلیں نظر آتی ہیں۔ جابجا آسیب ویران کھنڈر اور سرخ لبوں والی موت سے روبرو ہونا پڑتا ہے۔ یہ تمام معاشرے انسانی کائنات کی منفی قوتیں ہیں جن سے منیر نیازی کا سابقہ پڑا ہے۔"(۲۳)

تقسیم کا مسئلہ ہر حساس ذی شعور کے ایک بڑا سانحہ تھا۔ قیام پاکستان بہت سی قربانیوں کا ثمر ہے اور اس عزیز سرزمین کو شر پسند عناصر کی آماجگاہ بنتے دیکھ کر شاعر کا دل کٹتا ہے۔ اس بے راہ معاشرے میں سیاسی و سماجی کُشتی کے نتیجے میں ملک گمراہی کی طرف گامزن ہوتا دیکھ کر شاعر کڑھتا ہے۔ اس زوال اور پستی کی وجہ دراصل بے بصیرت اور نااہل حکمران ہیں۔ منیر نیازی ان حکمرانوں کو طنز کا نشانہ بناتے ہیں جن کا کام قوم کی رہنمائی کرنا تھا۔ وہ خود ہی اپنا منصب گنوا رہے ہیں۔ وہ جنہیں رہبری کرنا تھی، رہزنی کر رہے ہیں تو قوم کے مقدر کا ستارہ گہنا ہی جائے گا۔ ناصر کاظمی کی طرح منیر نیازی بھی ملک کی اس صورتِ حال کا ذمہ دار ہمارے سیاست دانوں اور حکمرانوں کو قرار دیتے ہیں۔

دیتی نہیں اماں جو زمیں ،آسماں تو ہے
کہنے کو اپنے دل سے کوئی داستاں تو ہے
یوں تو ہے رنگ زرد مگر ہونٹ لال ہیں
صحرا کی وسعتوں میں کہیں گلستاں تو ہے
اک چیل ممٹی پہ بیٹھی ہے دھوپ میں
گلیاں اجڑ گئی ہیں مگر پاسباں تو ہے
آواز دے کے دیکھ لو شاید وہ مل ہی جائے
ورنہ یہ عمر بھر کا سفر رائیگاں تو ہے(۲۴)

''منیر نیازی نے اپنی شاعری میں جگہ جگہ سماجی صورتِ حال کی نہ صرف عکاسی کی ہے بلکہ اس معاشرے میں موجود ناہمواریوں اور ناانصافیوں پر صدائے احتجاج بھی بلند کی ہے اور اس صورتِ حال کو تبدیل دیکھنے کی آرزو بھی اس کی شاعری میں جگہ جگہ دکھائی دیتی ہے۔''(۲۵)

اس ویرانی اور پستی کی بڑی وجہ حکمرانوں کا عوام سے گریز ہے، سیاست دان عوام کے مسائل سے نابلد ہیں ان کے اس رویے پر شاعر سخت کبیدہ خاطر نظر آتا ہے۔

رہبر کو ان کے حال کی ہو کس طرح خبر
لوگوں کے درمیان وہ آکر نہیں رہا(۲۶)

یہ شہر آشوب اور قوم کے مصائب ان کے جذبات برہمی کا عظیم محرک ہیں۔ قیام پاکستان کے وقت ان کی آنکھیں جن خوابوں سے منور تھیں وہ مادیت پرستی اور بنیادی ضروریات کی کشاکش میں الجھ کر بُجھ گئیں۔ ابھی چھوڑے ہوئے گھر کا وچھوڑا تازہ تھا کہ نئے آنگن کا وجود بھی حسرت بن گیا۔ احساسِ رائیگانی ابھی دل میں زخم کی طرح تازہ تھا کہ بے سروسامانی کا احساس ناسور بننے لگا۔ یہاں تک آتے آتے منیر نیازی کا غصہ بے بسی اور لاچاری کی کیفیت کا غماز بن گیا۔

میری ساری زندگی کو بے ثمر اس نے کیا
عمر میری تھی مگر اس کو بسرا اس نے کیا
میں بہت کمزور تھا اس ملک میں ہجرت کے بعد
پر مجھ اس ملک میں کمزور تر اس نے کیا
راہبر میرا بنا گمراہ کرنے کے لیے
مجھ کو سیدھے راستے سے دربدر اس نے کیا
شہر میں وہ معتبر میری گواہی سے ہوا
پھر مجھے اس شہر میں نامعتبر اس نے کیا

شہر کو برباد کر کے رکھ دیا اس نے منیرؔ
شہر پر یہ ظلم میرے نام پر اس نے کیا(۲۷)

آخر کار شاعر یہی ماتم کرتے جان سے گزر جاتا ہے کہ:

بسر جتنی ہوئی بے کارو بے منزل زمانے میں
مجھے اس زندگانی پر پشیمانی بہت ہے (۲۸)

غرض ناصر کاظمی اور منیر نیازی کے کلام میں جذبات برہمی کے اظہار کے چند گوشے نمایاں کیے گئے ہیں۔ ان کے کلام کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جذبات ہی وہ آئینہ ہے جس میں شاعر کو پیش آنے والے خارجی حقائق منعکس ہوتے ہیں اور وہ شعری قالب میں ڈھلتے ہیں۔ جس طرح خوشی اور غم کے جذبات شاعری میں نظر آتے ہیں۔اسی طرح جذبات برہمی بھی انسانی نفسیات کی تصویر کشی کرتے ہیں۔ جذبات برہمی کے اظہار کے لیے کوئی سماجی ارتقاء یا تاریخی ادوار طے نہیں ہوتے اور نہ ہی اس اظہار کے لیے کوئی خاص سمت متعین ہوتی ہے بلکہ آئے دن پیش آنے والے مذہبی، معاشی اور سیاسی و سماجی واقعات ان جذبات کے اظہار پر اثر انداز ہوتے ہیں۔اس بات کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ ادیب یا فن کار یا شاعر مجہول اور غیر متحرک اور بے بس ہوتا ہے کہ فقط خارجی حقائق سے متاثر ہوتا رہے۔ بلکہ اس کی شخصیت توانا۔ باشعور اور فعال ہوتی ہے جو فطرت سے متصادم ہوتی ہے اور موجودہ اقدار میں تغیر کی نشاندہی کرتی ہے۔ ناصر کاظمی اور منیر نیازی کے کلام کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شخصیات باہم دیگر مخصوص انفرادی حالات، تجزیات اور جبلی اوصاف کی بنا پر یکساں اثر قبول نہیں کرتیں اس لیے اظہار کی جہات بھی سماجی نظام سے تعلق کی مختلف سطحیں اور نوعیتیں ظاہر کرتی ہیں۔ یہ بھی آشکار ہوتا ہے کہ فن کار اپنے جذبات واحساسات کے اظہار وابلاغ میں اگرچہ یکسر آزاد ہے پھر اس کے احساسات اور وسائل اظہار غیر شعوری طور پر جذبات اور واقعات کے ساتھ پابہ زنجیر ہیں کہ اس کا قاری ایک عام انسان ہے اور شاعر جو بھی کہے گا وہ اپنے قاری کے لیے قابل فہم بنا کر پیش کرے گا تاکہ اس کا قاری اپنے جذبات کا عکس اس کے کلام میں دیکھ سکے اور ایسا ابلاغ اسی صورت ممکن ہے جب ہر طرح کے جذبات کا اظہار کیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ناصر کاظمی اور منیر نیازی کے کلام میں جذباتِ برہمی کے اظہار کا مطالعہ پیش کیا گیا تاکہ پتہ چل سکے کہ شاعری واقعی انسان کے تمام تر جذبات کی عکاسی کا کام کرتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ صلاح الدین شیخ، ''ناصر کاظمی ایک دھیان''، مکتبہ خیال، لاہور: ۱۹۸۲ء، ص ۳۳

۲۔ ناصر کاظمی، ''کلیاتِ ناصر کاظمی''، القا پبلشرز، لاہور، ۲۰۱۷، ص: ۲۳، ۱۹

۳۔ ایضاً، ص ۲۴

۴۔ ایضاً، ص ۱۰۹

۵۔ باصر سلطان کاظمی، ''ناصر کاظمی: شخصیت اور فن'' اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد: ۲۰۰۷ء، ص ۶۱

۶۔ ''کلیاتِ ناصر کاظمی''، ص ۱۹، ۲۸

۷۔ ایضاً، ص ۲۹۳

۸۔ ایضاً، ص ۳۴

۹۔ ایضاً، ص ۲۱۲

۱۰۔ ایضاً، ص ۲۲۳

۱۱۔ ایضاً، ص ۲۱

۱۲۔ ایضاً، ص ۲۲۹

۱۳۔ ایضاً، ص ۲۵۰

۱۴۔ جمال حسین قاضی، ''اردو ادب کا تہذیبی و فکری پس منظر''، عکس پبلی کیشنز، لاہور: ۲۰۱۹ء، ص ۶

۱۵۔ منیر نیازی، ''ایک اور دریا کا سامنا'' (کلیاتِ شاعری)، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۲۰۰۴، ص: ۲۱۷

۱۶۔ ایضاً، ص ۵۰۴

۱۷۔ ایضاً، ص ۵۷۸

۱۸۔ ایضاً، ص ۲۸۶

۱۹۔ ایضاً، ص ۲۹۳

۲۰۔ فرمان فتح پوری، ''اردو شاعری اور پاکستانی معاشرہ''، وکٹری یک بینک، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص: ۱۵۸

۲۱۔ ''ایک اور دریا کا سامنا''، ص ۱۱۷

۲۲۔ ایضاً، ص ۱۰۷

۲۳۔ سمیرا اعجاز، ''منیر نیازی شخص اور شاعر''، مثال پبلشرز، فیصل آباد، ۲۰۱۴ء، ص ۳۰۹

۲۴۔ایضاً، ص ۲۸۶

۲۵۔امجد طفیل، ''منیر نیازی: شخصیت اور فن''، پاکستانی ادب کے معمار، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، ۲۰۰۴، ص ۱۷

۲۶۔ایضاً، ص ۶۹۵

۲۷۔ایضاً، ص ۴۷۴

۲۸۔ایضاً، ص ۸۵۵